ڈاکٹر تبسم کاشمیری
جی سی یونیورسٹی، لاہور

منٹو کی وجودی اخلاقیات

Sa'adat Hassan Manto is an important literary figure in the history of Urdu short stories. Diversity in selection of topics and style of narration are most vivid qualities of his work. He was one of those writers who were well aware about nature of western revolutions of that time. This article is an attempt to study Manto's understanding about human beings in context of existentialism and humanism.

نیکوں کو سب گلے لگا لیتے ہیں۔ متقی و پرہیز گاروں کو آگے بڑھ کر ملتے ہیں۔ سر جھکا کر ان کے ہاتھ چومتے ، پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور اس عمل سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ مگر بدوں کو گلے کون لگائے گا؟ ان سے محبت کون کرے گا؟ منہ سے شراب کی بُو سونگھ کر کون آگے بڑھے گا؟ ہاں یہ ممکن ہے مگر یہ تو کوئی صوفی ہو سکتا ہے جو اپنے دل دریا میں ان کو جگہ دے ۔ اردو فکشن میں ہمارے پاس ایک صوفی منش موجود ہے اور منٹو اردو فکشن کا صوفی منش ہی تو تھا جس کے چاہنے والوں میں کیسے کیسے ذلتوں کے مارے لوگ تھے۔ کیسے کیسے بدنام کردار تھے۔ قحبہ خانوں کی عورتیں، دلال، وغیرہ۔ وہ لوگ کہ جن کو دیکھ کر راویتی نیکی دوڑ لگا جاتی ہے۔ یاد کیجیے موذیل کو، بابو گوپی ناتھ کو، ایشر سنگھ کو، ممی کو اور دیگر کرداروں کو۔ یہ وہ لوگ تھے جو نیکی کی دولت سے محروم نہ ہوئے، جن کے اندر کا انسان جاگ کر اپنی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

منٹو کے افسانوں کی ایک بلند جہت انسان کی تلاش ہے اور منٹو نے اپنے افسانے میں انسان کو دریافت کیا ہے کبھی نہ مرنے والے انسان کو۔ اس نے انسان کو بلند مرتبت لوگوں میں نہیں ڈھونڈا کہ وہاں انسان کی Dehumanization ہو جاتی ہے۔ اور یہ لوگ انسان رہتے ہی کب ہیں۔ ظاہر میں انسان اور باطن میں کچھ اور۔ مگر منٹو کے گنہگار لوگوں میں تو ہم Humanization کا عمل دیکھتے ہیں۔ بدتر اور بدترین لوگوں میں انسان جاگ اٹھتا ہے۔ موذیل جیسی کھلی ڈلی الھڑ لڑکی جو ہر وقت ترلوچن سنگھ اور اس کے انڈرویئر کا مذاق اڑاتی ہے خود ہمیشہ انڈرویئر کے بغیر پھرتی رہتی ہے ۔ ترلوچن اسے بار بار انڈرویئر اور حیا کی تلقین کرتا ہے مگر موذیل اسے کہتی ہے۔ ''یہ حیا ویا کیا بکواس ہے۔ اگر تمہیں اس کا کچھ خیال ہے تو آنکھیں بند کر لیا کرو۔ مجھ سے ایسی بکواس نہ کیا کرو۔ تم سکھ ہو مجھے معلوم ہے کہ تم پتلون کے نیچے ایک سِلی سا انڈرویئر پہنتے ہو۔ یہ بھی تمہارے سر کے بالوں کی طرح تمہارے مذہب میں شامل ہے۔ شرم آنی چاہیے تمہیں۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو اور ابھی تک یہی سمجھتے ہو کہ تمہارا مذہب انڈرویئر میں چھپا بیٹھا ہے۔''

موذیل جو ترلوچن کے بدن پر صابن کی طرح سے پھر جاتی ہے۔ اس کے ساتھ لیٹی رہتی ہے۔ ایک بار ترلوچن شادی کی درخواست کرتا ہے موذیل شرط لگاتی ہے کہ پہلے اپنے کیس صاف کرا دو۔ دوسرے دن وہ کیس صاف کرا دیتا ہے اور موذیل ترلوچن کو چھوڑ کر ایک دوست کی نئی کار میں ایک تفریحی مقام پر چلی جاتی ہے۔ یہ اس کی ایک جہت تھی واپسی پر جب اسے پتہ چلتا ہے کہ ترلوچن کی منگیتر فسادزدہ بمبئی کے ایک ایسے علاقے میں محصور ہو گئی ہے جو مسلمانوں کا علاقہ ہے ۔ وہ ترلوچن کی منگیتر کو بچانے کے

لیے جاتی ہے۔ اسے بچا لیتی ہے مگر خود خطرناک پتھریلی سیڑھیوں سے گر کر مر جاتی ہے۔ منٹو نے خوش باش ،شوریدہ سر، آزاد خیال اور مذہب کی قید سے آزاد موذیل کے اندر ایک خالص انسان کو تلاش کیا تھا۔ ترلوچن اس کے ننگے بدن پر اس وقت اپنا کپڑا ڈال دیتا ہے جب وہ آخری سانسوں پر تھی اس وقت وہ اسے کہتی ہے ۔''لے جاؤ اس اپنے مذہب کو۔'' اور اس کے ساتھ ہی رخصت ہو جاتی ہے۔ منٹو انسانوں کا جوہری تھا وہ جانتا تھا کہ کس انسان کے اندر کتنی گہرائی پہ انسان موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہانی کی ڈور ڈال کر اسے باہر نکال لیتا تھا۔

موذیل وجودی اخلاقیات کا کردار ہے۔ وہ زندگی کے بھرپور ہنگامے میں شریک ہے۔ تہذیب، معاشرہ، سوسائٹی، تہذیب اور ثقافت کے پھیلاؤ میں وہ مروجہ اخلاقیات کی تابع نہیں ہے بحیثیت فرد وہ اپنی زندگی کے لیے انتخاب کا رستہ اختیار کرتی ہے مذہب کی نفی کرتی ہے اور پوری آزادی کے ساتھ زندہ رہتی ہے۔

یہ بابو گوپی ناتھ انسانوں کا انسان اور عیاشوں کا عیاش۔ لہوولہب سے مکمل طور پر لتھڑا ہوا۔ تماش بینی میں طوائف کے کوٹھے پر عمر بسر کر دینے والا۔ بے حد گنہگار اور گنہ کا شاہ کار۔ اور بے حد حقیقت پسند بھی۔

بابو گوپی ناتھ کا مسئلہ یہ بنتا ہے کہ اس کی جائیداد اور دولت ختم ہو رہی تھی کچھ مدت سے وہ اپنی خوب صورت محبوبہ زینت کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اسے اپنے مستقبل کی فکر نہ تھی وہ زینت کے مستقبل کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سب کچھ ختم ہو جانے پر وہ کسی رنڈی کے کوٹھے پر یا کسی پیر کے تکیہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزار دے گا۔ اپنی ذات کے بارے میں تو وہ مطمئن تھا مگر زینت کے لیے اس کے اندر ایک شدید پریشانی نے جنم لے لیا تھا۔ زندگی کی اس منزل میں وہ زینت کا ہاتھ کسی اچھے انسان کو تھما دینا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کا آخری مسئلہ یہی رہ گیا تھا۔ بالآخر اسے کام یابی ہوتی ہے۔ وہ روایتی طریقے سے اسے رخصت کرتا ہے۔ زینت کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتا ہے اور بڑے خلوص اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہتا ہے ''خدا تمہیں خوش رکھے''۔

منٹو کا فن یہ ہے کہ وہ اس مقام پر بابو گوپی ناتھ کے اندر جھانکتا ہے تو اس کے اندر اسے ایک انسان نظر آتا ہے۔ وہ کبھی بابو گوپی ناتھ کو دیکھتا ہے اور کبھی اس کے اندر کے انسان کو۔ اب منٹو کے لیے اندر کا بابو گوپی ناتھ اہم ہو جاتا ہے اور ظاہر کا گوپی ناتھ بے معنی۔ انسان تو اس کے اندر تھا اسی انسان سے منٹو کی دوستی ہوتی ہے۔ یہ اس کی نئی دریافت تھی۔

منٹو کی ادبی انسانیات میں بابو گوپی ناتھ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہانی کے آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ بابو گوپی ناتھ کا پرسونا(Persona) پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ حقیقی اور اصلی گوپی ناتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ منٹو نے اپنے ایک بیان میں آدمی کی ایک تعبیر پیش کی تھی اس نے لکھا تھا کہ ''آدمی یا تو آدمی ہے ورنہ آدمی نہیں ہے۔ گدھا ہے، مکان ہے، میز ہے یا کوئی اور چیز ہے'' میں سمجھتا ہوں بابو گوپی ناتھ میز نہیں، کرسی نہیں، مکان نہیں وہ آدمی ہے۔ یوں دیکھیے تو اس بیان کا بابو گوپی ناتھ پر مکمل طور پر انطباق ہوتا ہے۔ وہ آدمی کی اخلاقیات کی ایک علامت میں ڈھل جاتا ہے۔

منٹو، پریم چند، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی کی طرح افسانہ نگار/کہانی نگار نہیں ہے۔ اردو فکشن نے آغاز سے عہد منٹو تک اور منٹو کے بعد بھی افسانہ/کہانی کی معاشرتی اور جنسی اخلاقیات کے مسلّمات کو قبول کیا ہے۔ اس کی پیروی کی ہے۔ اگر اس سے انحراف بھی کیا ہے تو وہ بھی محض سرسری طور پر ،معصومانہ سے انداز میں۔ معاشرتی قدغنوں اور منہیات کے خوف سے دبے دبے طریقہ پر۔ منٹو سے پہلے کی کہانی کی جنسی اخلاقیات کا ذرا جائزہ لیجیے اسے بغور دیکھیے کہ کہانی نگار کس طرح سے جنس کا مسئلہ نمودار

ہونے پر کنی کترانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ذکر سے گریز کی طرف بڑھتا ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر معاشرے کی طرف سے کوئی دھبہ نہ لگ جائے اور اس کی خاندانی شرافت مشکوک نہ ہو جائے۔ جنس کے ذکر سے خوف زدہ ہو جانے والی سوسائٹی، اپنے طور پر جنس کی کس سطح پر زندگی بسر کرتی تھی اس کا ذکر ہی نہ کیا جاتا تھا کہ یہ خوف طاری کر دینے والی بات تھی۔

اور یہ منٹو تھا اردو کا Radical افسانہ نگار جس نے معاشرے کی جنسی اخلاقیات کو ادھیڑ دیا۔ سراسیمگی، خوف، دہشت اور سہم کو اکھاڑ ڈالا۔ افسانے کی سو سالہ تاریخ میں یہ منٹو کی بہت بڑی خدمت تھی مگر اردو افسانے کے روایتی قاری کی سائیکی منٹو کے Radicalism کو برداشت نہ کر سکی اور افسانے کی جنسی اخلاقیات کو یہ سب کچھ ہضم نہ ہو سکا۔

پرانے اردو افسانے کی اخلاقیات کا تعلق تو معاشرتی اخلاقیات سے تھا کہ اردو افسانہ سنجیدگی سے اس روایت کا پیروکار تھا۔ گناہ و ثواب اور خیر و شر کے تصورات اردو افسانے کی روایت کا حصہ تھے، مگر منٹو کلونیل ہندوستان کے ان لوگوں کی اخلاقیات کا افسانہ نگار تھا جو مروجہ اخلاقیات سے ہٹ کر زندگی بسر کر رہے تھے۔

منٹو کی اخلاقیات اردو افسانے کی اخلاقیات نہ تھی۔ منٹو کی اخلاقیات اردو ناول کی اخلاقیات بھی نہ تھی۔ منٹو کی اخلاقیات اس کے کرداروں کے جودی تجربے کی اخلاقیات تھی۔

ترقی پسندوں کی طرح ادب و فن کے بارے میں اس کا کوئی لکھا لکھایا نظریہ نہیں تھا۔ اس کے کرداروں کی حرکت، زندگی میں ان کا عمل، ردعمل، ان کی زندگی کے رویے، معمولات کے سانچے، اور کرداروں کا بہاؤ اس کے وجودی تجربے کو مرتب کرتا تھا۔ اس کے کردار، اس کی کہانی، کہانی کا تانا بانا کسی نظریے کا اظہار نہ کرتا تھا۔ مگر اس کے تخلیقی عمل میں انسان کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہی انسان کے وجودی تجربے کا اظہار ہے۔ بین السطور وہ بہت کچھ کہہ جاتا تھا۔

کلونیل دور کے انسانوں کی سماجی کش مکش، ان کی معاشی بدحالی اور اس بدحالی کے اثرات جو ان کی سائیکی پر مرتب ہوئے یہ منٹو ہی سمجھ سکتا تھا۔ مرتب شدہ اخلاقیات سے منہ موڑنا، اسے اہمیت نہ دینا اور اپنے سماجی ڈھانچے کی اخلاقیات میں زندگی بسر کرنا، منٹو کے کرداروں کی خصوصیت ہے۔ یہ لوگ کثافت میں رہتے ہیں اور اسی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ مگر ان کے لیے یہ حتمی زندگی نہیں ہے۔ یہ مخصوص وقت کی زندگی ہے جس سے باہر نکل جانے کی خواہش ان کے اندر جھانکتی رہتی ہے۔ خاص طور سے نسائی کرداروں میں۔

وجودی اخلاقیات میں ہم انسانی سائیکی کی دو جہتوں کو دیکھتے ہیں۔ اس کی ایک جہت کا تعلق اس کی خارجی زندگی سے ہے اور دوسری جہت اس کی داخلی دنیا کی ہے۔ وجودی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر خارجی زندگی کی جہت مجروح ہو جائے یا بہت کمزور پڑ جائے تو داخلی جہت اسی کو سہارا دے کر تقویت کا سامان فراہم کرتی ہے۔ جس سے شخصیت تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ منٹو کے کردار بابو گوپی کو دیکھیے اس کی خارجی زندگی اجڑی ہوئی ہے۔ ہم کہانی میں جب اسے دیکھتے ہیں تو اس کی خارجی زندگی بُری طرح تباہ حال ملتی ہے۔ وہ اپنے مستقبل سے مایوس ہے یہاں اس کی داخلی دنیا اس کے لیے نجات کا سامان فراہم کرتی ہے۔ اس کی داخلی دنیا اس کی خارجی دنیا کو Compensate کرتی ہے۔ زینت کی شادی کا منصوبہ اس کی داخلی دنیا کی تخلیق ہے اور یہ منصوبہ اس کی برباد شدہ خارجی زندگی کو بحال کرتا ہے۔

وہ کیا چیز تھی جس نے بابو گوپی چند کے داخلی وجود کو بیدار کیا۔ بابو گوپی چند کہ لہو و لعب کی زندگی کا آدمی تھا اس زندگی کے منفی پہلوؤں کی موجودگی میں اس کی داخلی شخصیت میں خفتہ انسان کیوں کر بیدار ہوا یہ بابو گوپی ناتھ کے وجود کا جوہر تھا جس نے کوٹھے پر

زندگی گزارنے والے بابو گوپی ناتھ کے اندر ایک بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ جو وجودی اخلاقیات کی مثال بنتی ہے۔

وجودیت انسان کی ناتمامی کی بات کرتی ہے۔ فلسفیوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ ناتمامی اپنے آپ کو مکمل کرنے کی منازل میں رہتی ہے۔ گویا انسان مکمل ہو رہا ہے اور مکمل ہوتا جائے گا۔ یہ بات ایک مخصوص فلسفہ فکر کا اظہار کرتی ہے جس کا اشارہ انسان کی طرف ہے۔ یہ بات Generalize طریقے پر کہی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انفرادی شکل میں بھی عام انسان اپنے آپ کو مکمل کرنے کی جستجو میں رہتا ہے۔ یہ وجودی اخلاقیات کا بھی اظہار ہے۔ انفرادی حیثیت میں منٹو کی اخلاقیات یہی کہتی ہے کہ بابو گوپی ناتھ کہ جس کی اخلاقیات ناتمام تھی، ایک مرحلہ پہ آ کر اس کی اخلاقیات اپنے آپ کو مکمل کرنے کے لیے کوشاں ہو جاتی ہے۔ یہ زینت کی شادی کا مسئلہ ہے۔ جہاں طویل مدت کے جمود اور ٹھہراؤ کے بعد اس کا شخصی جوہر اس کے اندر ایک بڑی تبدیلی لاتا ہے اور وہ اپنی شخصی ناتمامی سے بلند ہو کر شخصیت کو مکمل کرنے میں ارتفاع کے راستہ پر چل پڑتا ہے۔ کچھ یہی صورت حال ہمیں سوگندھی کے کردار میں بھی ملتا ہے۔ سوگندھی جو کسبی ہے۔ سوگندھی جو اپنے نچی کوٹھے پر دھندہ کرتی ہے۔ سوگندھی کہ جو اپنے وجود کے آشوب کی شکار ہے۔ ایک ستم زدہ زندگی کے لیے وہ رنجور ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کے آشوب نے ہمیشہ کے لیے یوں ہی رہنا ہے۔ ایک شام اس کا دلال اسے ایک سیٹھ سے پسند کروانے کے لیے لے جاتا ہے۔ کار میں بیٹھا سیٹھ سوگندھی کو ایک نظر دیکھتا ہے اور ہونہہ کہہ کر اپنی کار کے ساتھ آگے بڑھ جاتا ہے۔ سوگندھی سوچتی ہے کہ سیٹھ نے اس کی بری طرح تحقیر کی ہے۔ اس مقام پر اس کا وجود بدترین آشوب کا سامنا کرتا ہے۔ اس کا ذہنی انتشار شدت اختیار کر جاتا ہے۔ اس کے اندر انتقام کی آگ بڑھکتی ہے اس کی داخلی اور خارجی شخصیت بری طرح ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔

انسان کے وجودی کرب کی کیفیتوں کو جس طرح سوگندھی کے کردار میں پیش کیا گیا ہے وہ منٹو کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اس کی شخصی اکائی ہتک کے بعد مجروح ہو کر بکھرنے لگتی ہے۔ اس کی ذات ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور وجود منہدم ہوتا نظر آتا ہے وہ وجودی آشوب کے ہاتھوں برباد ہو جاتی ہے۔ یہ سب کیا ہے یہ سب اس کے جوہر کی بیداری ہے۔ وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا چاہتی ہے مگر اس کے اندر اور باہر گھمبیر آوازوں کا شور ہے جو اسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا ہے۔ ستم یہ ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں سفر کرنے کے لیے اس کے پاس انتخاب کا وجودی راستہ تو کھلا ہے مگر وہ وسائل سے محروم ہے۔ اور یہی محرومی اس کے آشوب کو دردناک حد تک بڑھاتی ہے۔

منٹو کی کہانیوں کو وجودی اخلاقیات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ان کی معنویت کی تفہیم زیادہ بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔ انسان اور انسان کے جوہر کو منٹو نے جس طرح سے دریافت کیا ہے اردو فکشن کے پاس ایسی مثالیں عنقا ہیں یا بے حد محدود ہیں۔ بابو گوپی ناتھ عمر کے آخری دور میں کرائسس کا شکار ہوتا ہے یہ وہ مرحلہ ہے جہاں اسے وجودی انتخاب کے مرحلہ سے گزرنا ہے۔ زندگی کے پرانے ڈھانچہ کو ترک کر کے اسے ایک نیا رستہ اختیار کرنا ہے یہ خیر کا رستہ ہے۔ زینت کے لیے نئی زندگی کا انتخاب خیر کا انتخاب ہے۔ وجودی اخلاقیات سے اس کی کائنات بدل جاتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس نے باقی ماندہ زندگی رنڈی کے کوٹھے پر گزاری یا پیر کے تکیہ پہ بسر کی مگر اس کے جوہر کی اخلاقیات نے زینت کے پامال وجود کو نئی زندگی عطا کر کے مستقبل کے سپرد کر دیا۔

وجودی اخلاق میں فرد اپنی جداگانہ انفرادیت قائم کرتا ہے سوسائٹی کے وضع کردہ اصولوں پر زندگی بسر نہیں کرتا سوسائٹی کے عام اصولوں پر زندگی بسر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فرد اخلاقی حیثیت سے مردہ ہے گویا اسے زندہ رہنے کے لیے اپنے اصول وضع

کرنے ہوں گے۔ اسے خارجی زندگی کا جائزہ لینا ہوگا اور اپنے باطن کی دنیا میں اتر کر زندگی کو سمجھنا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممی، بابو گوپی ناتھ، موذیل اور سوگندھی وجودی اخلاقیات کے کردار ہیں۔ ان کرداروں کی نئے سرے سے تعبیر ضروری ہے۔ ممتاز شیریں اور وارث علوی کے بعد اکیسویں صدی میں منٹو کے لیے ایک نئے نقاد کی بہت ضرورت ہے۔

حوالے:

۱۔ سعادت حسن منٹو، ''بابو گوپی ناتھ'' مشمولہ'' منٹو نامہ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ ۱۹۹۵ء۔

۲۔ سعادت حسن منٹو، ''موذیل''، مشمولہ ''منٹو راما''، ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ ۱۹۹۵ء۔

۳۔ سعادت حسن منٹو، ''ہتک''، مشمولہ منٹو نمبر، نقوش لاہور۔